Yashoda Girls' Arts & Commerce College, Nagpur

Department of Urdu

Assignment

Session: 2020 – 2021

2020 - 21

YASHODHRA GIRLS ARTS &

COMMERCE COLLAGE

Sneh Nagar Nagpur

Name:= Gulafshan Zahra

D/O := Sakhawat Ali

Sub:= Urdu Cumpulsary

Class:- B.A (Semester III)

Assignment No - 3

Teacher's Signature

SEAL

Principal
Yashodhra Girls Arts & Commerce
College, Sneh Nagar, Nagpur-15

Page No. Date / /20

ساحر کا شاعرانہ مزاج

سردار جعفری

جس کسی نے ساحر لدھیانوی کو یہ کہہ کر کمتر درجے کا شاعر ثابت کرنے کی کوشش کی ہے کہ وہ Teen Agers یعنی نوعمر لڑکے لڑکیوں کا شاعر ہے اس نے دراصل ساحر کی شاعری کی صحیح قدر و قیمت پہچاننے کی ہے نوعمر لڑکے اور لڑکیوں کے لیے شاعری کرنا کوئی آسان کام نہیں ہے۔ ان کے دل میں تر و تازہ امنگیں ہوتی ہیں، آلودگی شدہ پاک آرزوئیں ہوتی ہیں۔ زندگی کے خوبصورت خواب ہوتے ہیں اور کچھ کر گذرنے کا حوصلہ ہوتا ہے۔ ان جذبات اور کیفیت کو ساحر نے جس طرح شاعرانہ روپ دیا ہے وہ اس کے قبل ہم عصر شاعر نے نہیں دیا۔ اس سے پہلے کے شاعروں سے اس بات کی توقع بھی نہیں کی جاسکتی تھی۔ ساحر نوعمر لڑکوں اور خاص طور سے لڑکیوں میں صرف اپنے شعر کی وجہ سے مقبول تھا۔

ہر شاعر بہت سے واقعات اور حوادث سے دوچار ہوتا ہے۔ جو زندگی میں اس کی شہرت یا بدنامی میں اضافہ کرتے ہیں۔ آج کا عہد سیاسی عہد بن گیا ہے اس لیے قید و بند کی صعوبتیں بھی شاعر کی شخصیت کے گرد ایک رومانی ہالہ بنا دیتی ہے۔ ملکوں کے کردار بھی کچھ حق ادا کرتے ہیں۔ ایک ملک سے دوسرے ملک یا باہر جانا نیک کام سمجھا جاتا ہے۔

SEAL

Shree Radhe

دوسرے ملک سے باہر چلا جانا قابل مذمت سمجھا جاتا ہے
ساحر کی زندگی میں اس طرح کی کوئی چیز نہیں ملے گی۔
پھر بھی نوجوانوں میں اس کی مقبولیت اور ہر دلعزیزی عجیب
معمولی اور قابل رشک تھی۔ لڑکیاں پہلے ساحر کی شاعری
کی گرویدہ ہوتی تھی۔ پھر ساحر سے عشق کرتی تھیں۔ "عشق
اول در دل معشوق پیدا می شود" کی سچائی یہاں ثابت ہوتی
تھی۔ اور کچھ دن ساحر ان کی نازبرداریاں کرتا تھا۔ پھر کچھ
ادائی دکھاتا تھا اور آخر میں تلخ کلامی بھی کر لیتا تھا۔ لیکن اس
سے اس کی مقبولیت میں اور اضافہ ہوتا تھا۔ چنانچہ ساحر
نے عشق سے بدنامیوں کا سامان کرنا اپنا شیوہ بنا لیا تھا۔
دراصل یہ سب جادو اس کی شاعری کا تھا۔ اور اس شاعری
کی سب سے بڑی خصوصیت شدت احساس اور سبک
انداز بیان ہے۔ یہی وجہ ہے کہ نوجوانوں میں مقبول
یہ شاعری عمر رسیدہ لوگوں کو بھی پسند آتی ہے۔
ایسے لوگ بھی ہیں جن کو ساحر کا پورا کلام زبانی یاد ہے
اور انہوں نے اس کلام سے اتنی محبت کی ہے کہ ساحر
کی تند اور تلخ زبان بھی نہایت خندہ پیشانی سے برداشت
کی ہے۔

یہ ساحر کی شخصیت کا بڑا عجیب اور دلچسپ
رخ ہے۔ خاندانی حالات کچھ ایسے تھے کہ ساحر کی پرورش
اس کی والدہ نے تنہا کی تھی۔ اور وہ ہمیشہ مرکز توجہ رہا۔
عشق میں بھی وہ محبوب زیادہ رہا ہے اور عاشق کم۔
اس لیے اس کی اپنی ~~ذاتی~~ (ذات) اور اپنی شاعری، اس کا
سب سے محبوب موضوع سخن تھا۔ نرگسیت اس کی فطرت
ثانیہ بھی بن چکی ہے۔

SEAL

Shree Radhe

جس کو فلمی کامیابی نے اور بھی چمکا دیا۔ یہیں سے
ساحر کی شاعری میں دلسوخت کے انداز سخن کا سراغ ملتا ہے
جس کو اس نے ایک ترقی یافتہ یا ترقی پسند زاویہ
عطا کر دیا۔ پرانے زمانے کے واسوخت لکھنے والے شعراء
محبوب کو اس کی بے وفائی کا طعنہ دیتے تھے۔ اور اس کے
حسن اور جوانی کے زوال کا خوف اس کے دل میں پیدا کرتے تھے
ساحر نے اسمیں ایک طبقاتی پہلو شامل کر دیا۔ اور شاعر
کی امیر معشوقہ کو غریب شاعر کے طنز کا شکار بننا پڑا
یہ چیز نوجوانوں کو اچھی لگتی تھی۔

حافظ کی غزل کے دو شعر

صبح دم مرغ چمن با گل نو خاستہ گفت
ناز کم کن کہ دریں باغ بسی چوں تو شگفت
گل بخندید کہ از راست نرنجیم ولے
ہیچ عاشق سخن سخت بہ معشوق نگفت

(ترجمہ: ایک صبح بلبل نے باغ میں کھلنے والے نئے پھول
سے کہا کہ ذرا ناز کم کرنا۔ کیونکہ تیری طرح کے بہت
سے پھول اس باغ میں کھل چکے ہیں۔ اور مرجھا گئے ہیں
گل نے ہنس کر جواب دیا کہ سچی بات سے مجھے
تکلیف تو نہیں ہوئی لیکن آج تک کسی عاشق نے اپنے
معشوق سے ایسی سخت بات نہیں کہی تھی)

لیکن ساحر نے اس سخت بات کو ہمیشہ کہا

اور بڑی شاعرانہ حلاوت کے ساتھ کیا۔ اس کا ایک انداز دوسرے طریقے سے اس کی نہایت مقبول نظم تاج محل میں ملتا ہے۔ اس نظم میں ساحر کا موضوع سخن غریب شاعر اور امیر محبوبہ یا امیروں کے آغوش میں چلی جانے والی محبوبہ نہیں ہے بلکہ امیر اور غریب کی عاشقی کا تقابل ہے۔ اس نظم کا سارا نچوڑ آخری شعر میں ہے

ایک شہنشاہ نے دولت کا سہارا لے کر
ہم غریبوں کی محبت کا اڑایا ہے مذاق

لطف یہ ہے کہ ساحر نے تاج محل دیکھا نہیں تھا۔ اگر دیکھ لیا ہوتا تو ایسی نظم نہیں لکھ سکتا تھا۔ اس نظم میں غلطی یہ ہے کہ تاج محل شاہجہاں کا کارنامہ نہیں ہے۔ ہندوستانی اور ایرانی صناعوں اور کاریگروں کے ہاتھوں کا جادو ہے۔ لیکن شاعری جو جذبے کی لہروں پر مچلتی ہے منطق کے قابو میں نہیں آتی۔

ساحر لدھیانوی کا یہ طبقاتی احساس حسن و عشق تک محدود نہیں ہے۔ اس کی کارفرمائی اس کی تخلیق میں ملے گی اس کی شاعرانہ ذہانت میں تلوار کی دھار تھی اور طنز کا ایک پہلو بھی رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ساحر بیباک بھی تھا۔ اور اپنی بیباکی کا اظہار سیاست سے لے کر امارت تک ہر محفل میں کرتا تھا۔

اس کی شاعری اپنی تمام تر بےباکی کے ساتھ

SEAL
Shree Radhe

زندہ اور تابندہ رہے گی۔

بعض اوقات سطحی نظر سے دیکھنے والے ساحر کی شاعری کو فیض کی شاعری کا چربہ سمجھ لیتے ہیں۔ یہ غلط فہمی اس وجہ سے ہوتی ہے کہ دونوں کی شاعری کا محور رومان اور احتجاج ہے۔ لیکن فیض کے یہاں محبوبہ کا وہ تصور نہیں ہے جو ساحر کے یہاں ہے۔ مخدوم اور مجاز کی شاعری کا محور بھی رومان اور احتجاج رہا ہے۔ مگر ان چاروں ہم عصر شعرا کے مزاج الگ الگ ہیں۔ مجاز کے یہاں فرد شاعرانہ سرشاری ہے۔ فیض کے یہاں معشوق نواز حسن پرستی اور ساحر کے یہاں عاشقانہ انانیت۔ اس انانیت کی جھلک غالب کے یہاں ملتی ہے۔

وفا کیسی، کہاں کا عشق، جب سر پھوڑنا ٹھہرا

تو پھر اے سنگ دل تیرا ہی سنگِ آستاں کیوں ہو۔

آج کے عہد میں یہ انانیت صرف ساحر کے حصے میں آئی۔

رومان اور احتجاج کی اس شاعری میں انقلابی شعور کی کمی نہیں تھی۔ لیکن رومان کی غمناک ہواؤں نے

SEAL
Shree Radhe

اس شعور کو شعلے میں تبدیل نہیں ہونے دیا۔
جو شعلہ اقبال، نرودا، لوئی آراگوں اور ناظم حکمت
کی شاعری کی روح ہے۔

ساحر کی انفرادیت
اور شدتِ احساس

(احمد ندیم قاسمی)

انسان کی شدت احساس نے شاعری کو جنم دیا۔ تفکر کی گہرائی نے اسے پروان چڑھایا۔ صوتی آہنگ نے اسے شبابِ جاوداں بخشا اور مشاہدے کی ہمہ گیری نیز ماحول کی اثر آفرینی نے اس میں رنگ بھرے۔ آپ زمانۂ حال سے صدیوں پیچھے چلے جائیں یا قرنوں آگے نکل جائیں آپ کو ہر زمانے کی شاعری میں یہی سلسلہ نمایاں نظر آئے گا۔ اور اگر غور سے دیکھا جائے تو جملہ فنونِ لطیفہ اسی مختصر سے سلسلے کی تخلیقات معلوم ہوتے ہیں۔ شاعری بھی نقادوں کی گڑھی ہوئی اصطلاحات کی محتاج نہیں رہی۔ ہیئت کے بے شمار نمونے رائج ہوئے اور ناپید ہو گئے لیکن اگر کوئی چیز قائم اور دائم رہی تو وہ شدت احساس، تفکر کی گہرائی، صوتی آہنگ، مشاہدے کی ہمہ گیری اور ماحول کی اثر آفرینی ہے۔

اس مختصر سی تمہید کا مقصد محض یہ ہے کہ ساحر

SEAL

کی شاعری میں جن خصوصیات نے مجھے سب سے زیادہ متاثر کیا ۔ ان میں احساس کی شدت بہت نمایاں ہے اور چونکہ شاعر کے فن کی بنیادیں صالح اور خلوص بھرے احساس پر استوار ہیں ۔ اس لیے اس کے ہر شعر تفکر آہنگ ، شاید بدلے اور ماحول کے اثرات موجود ہیں ۔ اور انہیں کے باعث وہ دورِ جدید کے نوجوان شعراء میں ایک ممتاز حیثیت کا مالک ہے

اردو شاعری کے موجودہ دور کو اکثر نقادوں نے تجرباتی دور کہا ہے ۔ تجربے کی افادیت سے مجھے انکار نہیں کیونکہ بعض تجربات اٹل صداقتیں بن جاتے ہیں اور دنیا مدتوں ان کے سہارے چلتی رہتی ہے ۔ حقیقت میں جدید تہذیب کا یہ عروج بھی مختلف قسم کے تجربات کی ایک کڑی ہے ۔ اور اگر ہر تجربے کا اپنایا جائے تو ممکن ہے کہ عروج کا یہ سلسلہ کبھی ختم ہی نہ ہو اور امکانات کے دائرے وسیع سے وسیع تر ہوتے چلے جائیں ۔ دراصل اس ضمن میں سب سے خطرناک مسئلہ ناممکن تجربات کا تسلسل ہے یہ مسلمہ حقیقت ہے کہ گزشتہ دس پندرہ برسوں میں بے شمار تجربات کیے گئے ۔ نظم کی نئی نئی ہیئتیں نکالی گئیں ۔ کسی نے ماضی کی روایات سے علی الاعلان بغاوت کر دی کسی نے معمولی سی تبدیلی پر اکتفا کی ۔ کوئی نظم کی پرانی صورتوں میں نیا مواد پیش کرنے میں کوشاں رہا ۔ کسی نے نفسیاتی مضمون کو معموں میں نظم کر ڈالا ۔ کسی نے جنسی تر غیبات کے کھلم کھلا ذکر سے گھبرا کر اشاروں کے مبہم استعارے بنا لی ۔ الغرض بے شمار پینترے سے بدلے گئے اور بدلے جا رہے ہیں ۔ لیکن کسی تجربے نے صداقت کی صورت اختیار نہ کی ۔ بلکہ ہر تجربے کو جو جو تک بودا اور پوچ ہوتا گیا ۔ اور آج کل یہ

SEAL
Arts & Commerce College

Shree Radhe

حالت ہے کہ اردو شاعری کا ہیئتی نظام افراتفری کے عالم میں ہے۔ دورِ جدید میں چند ممتاز شعراء کا کلام دیکھ کر یوں محسوس ہوتا ہے کہ جیسے یہ تمام حضرات ایک ہی مرض سے وابستہ ہیں اور ان کی منزلیں بلکہ راہیں متعین نہیں۔ نصب العین کا فقدان ہے اور وہ شاعری جس نے جمہور کی بیداری کا بیڑہ اٹھایا تھا۔ ابہام اور بے راہ روی کا ایک سنگ بن کر رہ گئی ہے۔ جب تجربات کا یہ عالم ہو تو ضروری امر ہے کہ گذشتہ دور کی صورتوں میں حسبِ ضرورت تبدیلیوں کے بعد چند ہیئتیں گڑھی جائیں۔ کیونکہ تعین ترقی کی علامت ہے اور یہی تعین مستقبل میں ایک نئے تجربے کا ذریعہ بن سکتی ہے۔

ساتھ ہی یہ امر بھی قابل غور ہے کہ نئی نئی ہیئتوں کے جنون میں کئی شعراء نے معنی کو پس پشت ڈال دیا ہے حالانکہ میں ہر نوع کا اجتہاد سب سے اول معنی سے شروع ہونا چاہیے معنی یا مواد یا موضوع کے مقابلے میں ہیئت فروعی حیثیت رکھتی ہے اور اگر کہنے والے کا احساس پختہ اور تخیل صاف ستھرا اور بلند ہے تو معنی خود بخود اپنی پسند کی ہیئت میں جلوہ گر ہوتے ہیں۔

—x—

Dr.

Principal
Yashoda Girls Arts & Commerce
College, Sneh Nagar, Nagpur-15
SEAL

Yashoda Girls' Arts & Commerce College, Nagpur

Department of Urdu Literature

Assignment

Session: 2020 – 2021

YASHODA GIRLS' ARTS & COMMERCE COLLEGE

SNEH NAGAR NAGPUR

ASSIGNMENT

NAME	:-	Afreen Parveen M. Izhar
TOPIC	:-	Urdu Adab ki Tarikh (اردو ادب کی تاریخ)
ROLL NO	:-	
SUBJECT	:-	urdu literature 3rd sem.
GROUP	:-	
CLASS	:-	B.A IInd year
DATE	:-	2020 - 21
SUB TEACHAR	:-	Dr. Sameera Momin.

SEAL

PRINCIPAL SIGNATURE

Principal
Yashoda Girls Arts & Commerce
College, Sneh Nagar, Nagpur-15

اردو ادب کی تاریخ

(1857 تا 1800)

اردو ادب کا پس منظر:=

اردو ہندوستان کی سب سے خوبصورت زبان ہے۔ اور بلاشبہ آج یہ دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں شمار کی جاتی ہے۔ اسے کمال عروج تک پہونچانے میں ہمارے ادباء اور شعراء نے شبانہ روز محنت کی۔ بلاشبہ آج ہم یہ کہہ سکتے ہیں اور دنیا کی ترقی یافتہ زبانوں میں سے ایک ہے۔ اور اس کا ادب دنیا کے بہترین ادب کے سامنے رکھا جا سکتا ہے۔

ادب کی تاریخ ایک ایسی اکائی ہے۔ جسے ٹکڑے ٹکڑے کر کے نہیں دیکھا جا سکتا۔ ادب کی تاریخ ایک ایسا آئینہ ہے۔ جس میں ہم زبان اور زبان کے بولنے اور لکھنے والے کی اجتماعی و تہذیبی و سیاسی و معاشرتی عوامل ایک دوسرے میں پیوست ہو کر ایک وحدت اکائی بناتے ہیں اور تاریخ ادب ان تمام اثرات روایات و تجربات و خیالات و رجحانات کا آئینہ ہوتی ہے اردو ادب کی زبانوں کو الفاظ ان کے اصناف ان کی تعلیمات اور انداز بیاں کو تصوف میں لاتا ہے۔ یہ اثرات آغاز سے لے کر بیسویں صدی تک قائم رہتے ہیں۔ اگر ادب زندگی کا آئینہ ہے۔ تو ادب کی تاریخ کو بھی ایسا آئینہ ہونا چاہیے جس میں ساری زندگی کی روح کا عکس

SEAL
CHANDAN

نظر آئے تاریخ ادب اردو کا ایک ایسا آئینہ ہے۔ جس میں وحدت، کلچر فکر اور تاریخ مل کر ایک اکائی بناتے ہیں۔ اور فکری عناصر کو ابھارنے کی کوشش کرتے ہیں۔

اردو ادب کی تاریخ :-

جس طرح کائنات میں حیات کا ارتقاء خود کی تاریخ بن جاتا ہے۔ اسی طرح زبان کا ارتقا کسی تہذیب کی تاریخ کا راز بن جاتا ہے۔ انسان اور حیوان میں یہی فرق ہے۔ کہ انسان کے پاس بولتی زبان ہے۔ اور حیوان کی زبان گونگی ہے۔ یہی بولتی زبان انسانی شعور کی علامت ہے۔ اس کے دکھ درد، خوشی، غم خیال، احساس، جذبہ، اور فکر و تجربہ کا اظہار ہے۔ اس سے زندگی میں نئے نئے رنگ پیدا ہوتے ہیں۔ اور زندگی کے بڑھنے پھیلنے اور با مقصد و بامعنی ہونے کا احساس ہوتا ہے۔ اسی لئے زبان معاشرت کے پہلے درجے سے شروع ہو کر انسانی معاشرے کے ساتھ ساتھ ارتقائی منازل طے کرتا ہے۔ انسانی زندگی کا پہلا اور بنیادی ادارہ بن جاتا ہے۔ انسانی شعور اسے نکھارتا ہے۔ خیالات و فکر کا نظام اسے روشنی دیتا ہے۔ زندگی کے مختلف عوامل اور تجربے اسے بناتے اور سنوارتے ہیں۔ ہر چھوٹی بڑی اور ادنیٰ جیوں تصور، تجربہ یا احساس زبان کا لباس پہن کر جسم کی شکل میں سامنے آ جاتا ہے۔ یہی وجہ ہے۔ کہ زبان کا پہلا اور بنیادی ادارہ بن جاتا ہے۔ انسانی شعور اسے نکھارتا ہے۔ خیالات و فکر کا نظام اسے روشنی ہے۔ زندگی کے مختلف عوامل اور تجربے اسے بناتے اور سنوارتے ہیں۔ زبان نہ کوئی فرد ایجاد کر سکتا ہے۔ نہ اسے فنا کیا جا سکتا ہے۔

مختلف تہذیبی عوامل رنگا رنگ صدیوں میں جا کر کسی زبان کے فروغ اجاگر کر سکتا ہے۔ خد و خال اجاگر کرتے ہیں۔ اس لئے دنیا کی ہر زبان میں لسانی عمل اور ادب کی تخلیق کے درمیانی وقفے کا طویل فاصلہ ہوتا ہے۔ کوئی صدیوں میں جا کر زبان بنتی ہے۔ اپنی شکل بنا لیتی ہے۔ اور خد و خال اجاگر کرتی ہے لسانی ارتقاء کی تاریخ جب ایک ایسی منزل پر پہنچ جاتی ہے۔ جہاں محسوس کرنے والے انسان، سوچنے ذہن اور بات والامانی الضمیر کو دوسروں تک پہنچانے والے افراد زبان میں اپنی صلاحیتوں کو اظہار کی سہولت پاتے ہیں تو لوگ ادب کی تخلیق اپنا شروع کر لیتی ہے۔ اور زبان و ادب کے ساتھ بھی دنیا کی دوسری زبانوں کی طرح یہی عمل ہے۔ صدیوں سے یہ زبان سر جھکائے گلی کوچوں میں آوارہ اور بازار میں پریشان حال ماری ماری پھرتی رہی۔ کبھی اقتدار کی قوت نے اسے دبایا کبھی ایک لشکر نے اسے حقیر جان کر اپنے منہ نہ لگایا یہ عوام کی زبان تھی عوام کے پاس رہی۔ مسلمان جب ہند میں داخل ہوئے تو عربی فارسی اور ترکی بولتے آئے اور جب ان کا اقتدار قائم ہوا تو فارسی زبان سرکاری زبان ٹھہری۔ تاریخ شاہد ہے کہ حاکم قومیں اپنی زبان اور کلچر اپنے ساتھ لاتی ہیں اور محکوم قومیں اس زبان اور کلچر سے اپنی زندگی میں نئے معنی پیدا کرنے کے لئے احساس کو جنم دیتی ہیں۔

مسلمانوں کا کلچر ایک فاتح قوم کا کلچر تھا۔ جس میں زندگی کی وسعتوں کو اپنے اندر سمیٹنے کی پوری قوت اور طاقت موجود تھیں۔

SEAL

CHANDAN

اس کلچر نے جب ہندوستان کے کلچر کو نئے انداز میں
سکھائے اور یہاں کی بولیوں پر اثر ڈالا تو ان بولیوں
میں سے ایک نے جو پہلے اپنے اندر جذب و قبول کی بے پناہ
صلاحیت رکھتی تھی۔ اور مختلف بولیوں کے مزاج کو
اپنے اندر سموئے ہوئے تھی بڑھ کر اس نئے کلچر کو
اپنے سینے سے لگایا اور تیزی سے ایک مشترک بولی بن کر
نمایاں ہونے لگی۔ دیکھتے ہی دیکھتے یہ ایک ایسا تنا
ور درخت بن گیا اس کا اثرات کے ساتھ یہ زبان کو
ترقی کرتی رہی لیکن فارسی زبان نے اسے بہت کچھ
دینے کے باوجود برابر کبھی جگہ نہیں دی

اس ادب کی طویل تاریخ ہے جس کے نمونے
برِ عظیم پاک و ہند کے مختلف بھی ہیں۔ اس کی وجہ
تو یہ بھی ہے۔ کہ ابھی زبان اپنی تشکیل کے دور سے گزر
رہی تھی۔ اور اس معیار تک پہونچی تھی۔ جہاں
زبان کا ادبی معیار علاقائی و مقامی سطح سے اٹھ
کر عالم گیر ہوتا ہے۔ دوسرے یہ کہ مسلمانوں کے ساتھ
جہاں یہ زبان پہونچی اس کا ایک ہیولی ملتان
تیار ہوا۔ پھر یہ لسانی عمل سرحد پنجاب میں ہوا
جہاں سے تقریباً نصف صدی بعد یہ دہلی پہونچا اور
وہاں کی زبانوں کو جذب کرکے اور ان میں خزانہ
سارے برِ عظیم میں پھیل گیا۔ جس شہر میں یہ پہونچی
وہاں کے نام کو اپنایا۔ گجراتی، لاہوری، دہلوی،
برج بھاشا، پنجابی، دکن کے نام سے جانی جانے لگی۔
مختلف زبان سے اس کا یہ تعلق اور مختلف زبانوں
کے علاقوں کا اس زبان پر دعویٰ اور اس بات کی
دلیل ہے کہ اس کا تعلق سب سے ہے اس نے سب سے
فیض اٹھا کر اپنے وجود کو انفرادیت بخشی تھی۔ یہ
زبان برِ عظیم کی سب زبانوں کی زبان ہے

CHANDAN

یہ زبان سب کے منہ چڑھی زبان ہے جسے ہم
آج اردو ادب کے نام سے موسوم کرتے ہیں۔

مسلمانوں کے کلچر نے جب اس تہذیب کے
جسم ناتواں میں نیا تازہ خون شامل کیا تو ہم دیکھتے ہیں
کہ سویا معاشرہ جاگ اٹھا ہے اور وہ نئے کلچر کے
زندہ تصورات و عقائد نئے ترقی فلسفہ حیات اور
نئی زبانوں سے قوت و توانائی حاصل کرنے کے لیے بے
چین ہے۔ اور مسلمانوں نے زندگی کے ہر شعبے کو
متاثر کیا اور ساتھ ہی ساتھ ایک نیا لسانی
امتزاج بھی رونما ہوا۔ یہ عمل بغیر کسی کوشش
و کاوش کے اس لئے ہوا کہ اس دم توڑتے اور
بکھرے ہوئے معاشرے کو خود ان تصورات کی
ضرورت تھی۔

سونیتی کمار چٹرجی نے لکھا ہے کہ لسانی سطح پر اظہار
خیال کی ضرورت محسوس ہو رہی ہے۔ اس لئے اس بر
زمین پر جہاں جہاں مسلمان پھیلنے لگے زندگی کی کایا پلٹی
اور تہذیب کا آغاز ہوتا ہے۔

پہلے یہ عمل سندھ اور ملتان میں ہوا۔ پھر پھیل کر
سرحد پنجاب اور میرٹھ، دہلی تک پہونچ گیا اور قطب الدین
ایبک سے تو دہلیوں آتے آتے تہذیبی و لسانی سطح پر یہ
اثرات اتنے واضح ہو گئے کہ زبان اور تہذیب
دونوں کو نئے سانچے میں ڈھال ایک الگ رنگ و
روپ دے دیا۔ اسی کے ساتھ ساتھ ایک مشترکہ
زبان کے خد و خال بھی اجاگر ہو گئے۔ شاعری کے
نمونے پیش کرکے اردو شاعری کے لئے راہ
ہموار کی۔

ولی کی شاعری سے متاثر ہوکر اردو شاعری کے اپنے جذبات و خیالات کو بنانے والے اولین شعراء میں فطرت، بیدل، ندیم اور خان آرزو کے نام قابل ذکر ہیں۔ اردو شعر گوئی کے فن کو جس نے اپنایا وہ خان آرزو ہی تھے۔ کتنے بلند پایہ شعراء نے ان کے دامن میں تربیت پائی۔ ان میں خان آرزو، ناجی حاتم، یک رنگ، مظہر جان جاناں وغیرہ زیادہ اہم ہیں۔ ان میں آبرو، ناجی، مضمون، یک رنگ کا رجحان ایہام گوئی کی طرف تھا۔

ان شعراء کے بعد میر و سودا اور ان کے ہم عصر شعراء کا نام آتا ہے۔ جس میں خواجہ میر درد، سوز اور قائم چاند پوری خصوصیت کے ساتھ قابل ذکر ہیں۔ میر تقی میر ان میں سب سے اہم ہیں انھوں نے اردو غزل کے معیار کو بلند کیا۔ ان کے اشعار میں غم جاناں اور غم دوراں کا حسین امتزاج ملتا ہے۔ خواجہ میر درد کی شاعری میں تصوف کا رنگ غالب ہے۔ سودا قصیدہ گو شاعر تھے۔ سودا کے قصیدے اردو شاعری کا قیمتی سرمایہ ہے۔ میر اپنی مثنوی خواب و خیال کی وجہ سے مشہور ہیں۔

شمالی ہند میں اردو کی پہلی نثری تصنیف فضلی کی کربل کتھا ہے۔ اس کتاب پر فارسی کے رنگ کا گہرا اثر ہے۔ اٹھارویں صدی کی ایک مشہور شعلہ عشق کو نثر میں منتقل کیا۔ اس صدی کی ایک اہم نثری تصنیف میر عطا حسین خاں کی نوطرز مرصع ہے۔ اس کتاب کی کی اہمیت اس عہد کی علمی و ادبی سرگرمیوں کا اندازہ ہوتا ہے۔

CHANDAN

اٹھارویں صدی میں اردو زبان نے نیا رنگ روپ اختیار کیا یہ زبان سے عام عوام کی بول چال کی زبان بن گئی اور اس زبان نے ادب میں اپنا ایک نیا مقام بنایا اور یہ زبان بر عظیم میں بولی اور سمجھی جانے لگی۔

اردو کے معنی و مفہوم :=

اردو ترکی زبان کا لفظ ہے جس کا مطلب ہے لشکر۔ دراصل مغلوں کے دور میں کئی علاقوں کی فوجیں آپس میں اپنی زبانوں میں گفتگو کیا کرتی تھیں چونکہ یہ مختلف زبانوں کا مجموعہ ہے۔ اس لئے اسے لشکری زبان بھی کہا جاتا ہے۔ دوسری بڑی وجہ یہ ہے کہ یہ دیگر زبانوں کے الفاظ اپنے اندر سمونے کی صلاحیت رکھتی ہے۔ یہ عربی فارسی اور ہندوستان کی مقامی بولیوں کے میل جول سے پیدا ہوئی ہے۔

اردو کو سب سے پہلے مغل شہنشاہ اکبر کے زمانے میں متعارف کروایا گیا۔ یہ واقعہ کچھ یوں ہے کہ برصغیر میں ۵۶۵ ریاستیں تھیں۔ جس پر اکبر کی سلطنت قائم تھی۔ اتنے بڑے رقبے کی حفاظت کرنے کے لئے اسے مضبوط فوج کی ضرورت تھی اس لئے اس فوج میں نئے سپاہی داخل کرنے کا حکم دیا۔ ان ریاستوں کے کئی جوان آئے سب کے سب الگ الگ زبان کے بولنے والے تھے۔ جس سے فوجی انتظامیہ کو مشکلات کا سامنا تھا اکبر نے نیا حکم جاری کیا کہ سب میں ایک نئی زبان متعارف کروائی جائے اس لحاظ سے یہ طے ہوا کہ اردو کو سرکاری زبان تسلیم کیا جائے اسطرح فوجیوں کو اردو تعلیم دی گئی۔

ان فوجیوں کی وجہ سے آگے چل کر اردو برِ صغیر میں پھیلتی چلی گئی۔

اردو کی ہندی کے ساتھ یکسانیت کی وجہ سے دونوں زبانوں کے بولنے والے ایک دوسرے کو عموماً سمجھ سکتے ہیں۔ حقیقت میں ماہرین لسانیات ان دونوں زبانوں کو ایک ہی زبان کے حصے سمجھتے ہیں۔ تاہم یہ معاشی و سیاسی لحاظ سے ایک دوسرے سے مختلف ہیں۔ لوگ جو اردو کو اپنی مادری زبان سمجھتے ہیں وہ ہندی کو اپنی مادری زبان تسلیم نہیں کرتے۔ دنیا کی دس (۱۰) بلند زبانوں میں چینی، انگریزی اور ہسپانوی زبان کے بعد اردو اور ہندی دنیا میں سب سے زیادہ بولی جانے والی چوتھی زبان ہے۔ اسے دنیا کی کل آبادی کے تقریباً پانچ فیصد افراد بولتے ہیں۔

اردو اور اس کی اہم بولیاں

اردو ایک طرف بلند آریائی زبان ہے۔ اس کی نمو دیکھا جائے کسی خاص وقت یا کسی خاص لمحے میں نہیں ہوئی۔ یہ اردو اپنی موجودہ شکل اختیار کرنے سے پہلے مختلف مراحل سے گزری ہیں۔ آج اس کا شمار دنیا کی چند ترقی یافتہ اور کثرت سے بولی جانے والی زبانوں میں ہوتا ہے۔ اس زبان کا ایک معیاری لب و لہجہ ہے، جو ادیبوں اور اہلِ زبان کے قائم کردہ اصول اور معیاروں کے مطابقت کے نتیجے میں تشکیل پذیر ہوا ہے۔ لیکن مختلف لسانیاتی عوامل کی وجہ سے زبان کے معیاری لب و لہجے کی وجہ سے زبان جو شکل اختیار کرتی ہے اسے ہم بولی کا نام دیتے ہیں۔

انسائیکلو پیڈیا برٹینکا میں بولی کی تعریف اس طرح ملتی ہے کہ "کسی ملک، ضلع، برادری، سماجی گروہ، پیشہ ور لوگ یا شخص کے زبان بولنے کا ایک مخصوص طریقہ بولی کہلاتا ہے"

اس طرح زبان کی بگڑی ہوئی شکل کو ظاہر کرتی ہے۔ اسکی تعریف کی روشنی میں یہ بات واضح کرتے ہوئے ڈاکٹر گیان چند لکھتے ہیں۔ "بولی اور زبان کا رشتہ وہی ہوتا ہے جو ایک وفاقی حکومت اور صوبائی حکومتوں کا ہوتا ہے۔ یعنی بولی کا تصور زبان کے بغیر نہیں کیا جا سکتا ہے۔ زمانے کے ساتھ ساتھ ایک زبان بہت سی بولیوں میں بٹ جاتی ہے۔ اس طرح زبان کے فارم میں تبدیلی کے مختلف اسباب ہو سکتے ہیں۔ لیکن ان میں علاقائی لسانی سماجی اور پیشہ ورانہ عناصر زیادہ اہم ہیں۔ زبان اپنے مرکز سے دور ہوتی ہے۔ اس پر متعلقہ علاقوں کا اثر پڑتا ہے اور زبان میں تبدیلی پیدا ہو جاتی ہے زبان کی بگڑی ہوئی ایسی شکل کو علاقائی بولی کہتے۔ اس طرح کبھی کبھی مختلف فرقوں کی زبان کا اثر قبول کرنے کے نتیجے میں بھی زبان میں تبدیلی پیدا ہوتی ہے۔ ایسی شکل کو لسانی بولی کہا جاتا ہے۔ سماج مختلف طبقوں میں تقسیم ہوتا ہے۔ کوئی طبقہ خواندہ ہوتا کوئی ناخواندہ کوئی مہذب اور ترقی یافتہ ہے۔ تو کوئی غیر مہذب و پسماندہ ہے۔ سماج کا طبقاتی فرق زبان میں کافی اہم تبدیلیاں لاتا ہے۔ زبان کی بگڑی ہوئی شکل کو سماجی بولی کے نام سے پکارا جاتا ہے۔ اس طرح پیشوں کی بنیاد پر بھی زبانوں میں فرق پایا جاتا ہے کسی زبان کے اس طرح کے فرق جب بنیادی شکل ہے۔ جو علاقائی لسانی سماجی اور پیشہ ورانہ اثرات کا نتیجہ ہوتی ہے۔

اچھی زبان اور بولی سے متعلق جو باتیں سامنے
آئی ہیں۔ اس کی روشنی میں اردو زبان اور اس کی بولیوں
کا جائزہ لینے پر اردو کی بے شمار بولیاں سامنے آتی ہیں۔
اردو زبان کا حلقہ بہت وسیع ہو چکا ہے۔ ہندوستان
پاکستان، بنگلہ دیش کے علاوہ دہ وہ دنیا کے مختلف
خطوں میں بولی جاتی ہے۔ علاقوں اور جغرافیائی
ماحول کی وجہ سے ہر خطے کی زبان میں فرق پیدا ہو گیا ہے
خود غیر منقسم ہندوستان کی لسانی صورت حال
کا جائزہ لینے پر تقریباً ۸۰۰ (آٹھ سو) سو بولیاں
ملتی ہیں۔ جو مختلف علاقوں میں بولی جاتی ہیں۔
بولیوں میں سے چند کا ذکر کیا جاتا ہے۔ ان بولیوں
میں سے بعض کی لسانی حیثیت ہے۔ اور بعض کی
سماجی حیثیت ہے۔

دکنی اردو:=

عام طور پر جنوبی ہندوستان میں بولی جانے
والی اردو کو دکنی اردو کہا جاتا ہے۔ دکنی اردو بولنے
والوں کی بہت زیادہ تعداد ہے۔ دکنی اردو بولنے
والے آندھرا اور کرناٹک کے مختلف علاقوں میں
بکھرے ہوئے ہیں۔ متعلقہ علاقوں زبانوں کے زیر
اثر ان علاقوں کی اردو زبان کے لب و لہجے میں
ایک خاص فرق نمایاں نظر آتا ہے۔ دکنی اردو
ایک قدیم اور زرخیز دست بولی پندرہویں اور
سترہویں صدی کے دوران اسے فروغ ملا اور
اسی زمانے میں دکن کی ایسی گراں قدر تحریریں
سامنے آئیں جن کی آج بھی تاریخی، لسانی اور
ادبی حیثیت مسلم ہے۔ ایک عرصہ تک وہ اردو
کی بنیادی دھارے میں شریک کر دیکر ایک زبان
کی حیثیت سے ارتقائی مراحل طے کرتی ہے

لیکن بعد میں کچھ تاریخی وسیاسی وجہ سے اردو
زبان میں ضم ہو گئی ہے۔ اس کی حیثیت محض
اردو کی ایک بولی رہ گئی ہے۔ اس بولی کا ادبی
ورثہ کافی وسیع اور جاندار ہے۔ شمالی ہند میں
جب اردو صرف بول چال کی زبان تھی اس زمانے
میں دکنی اردو میں بہترین ادبی تصانیف ملتی ہیں
میران جی شمس العشاق، امین الدین اعلیٰ
سے لے کر وجہی حواصی ابن نشاطی تک ہمیں
اردو شاعروں اور نثر نگاروں کی ایک بڑی
تعداد ملتی ہے۔ جنہوں نے اپنی تخلیق صلاحیتوں
سے دکنی اردو کے ادبی سرمائے میں قابل قدر
اضافہ کیا۔

پنجابی اردو :-

اردو کی دوسری اہم بولی پنجابی اردو کہی
جاتی ہے۔ اسے پنجابی اردو اس لئے کہا جاتا ہے کہ
یہ پنجاب کے علاقوں میں بولی جاتی ہے۔
پنجابی بولی والے مشرقی پنجاب اور مغربی
پنجاب کے مختلف علاقوں میں پھیلے ہوئے ہیں۔
اس بولی پر علاقائی اثرات بہت گہرے نظر آتے
ہیں۔ چنانچہ پنجاب کے مختلف علاقوں میں
بولی جانے والی اردو پر پنجابی زبان کے اثرات
بڑے گہرے ہیں۔ جس سے اردو کی لسانی
ساخت بہت زیادہ متاثر ہوتی ہے۔

کلکتیا اردو :-

بنگال میں بول چال کی اردو پر وہاں کی بنگلا
زبان کے زبردست اثرات دکھائی دیتے ہیں۔
ان اثرات کی وجہ سے اردو اپنے مختلف علاقوں
کے اعتبار سے علاقائی بولیوں میں منقسم نظر آتی ہے

Page No. 13 Date

یہاں اردو کی سیکڑوں بولیوں میں سے صرف چند اہم بولیوں کا ذکر کیا گیا ہے۔ اگر اصل اردو زبان سے ان بولیوں کا موازنہ کیا جاتا ہے تو صوتی لسانی صرفی نحوی اعتبار سے ان بولیوں میں نمایاں فرق نظر آئے گا۔ دراصل یہ فرق مخصوص علاقائی اثرات، سماجی دباؤ کے نتیجے میں پیدا ہوا ہے۔ یہ ایک فطری عمل ہے۔ اس پر قابو پانے کی کوشش شاید ہی کامیاب ہو جائے۔

Principal
Girls Arts & Commerce
Nagar, Nagpur-15

SEAL